ترکی اور مسلمانان برعظیم کے روابط: ظفر علی خان کی مساعی کا ایک جائزہ

زاہد منیر عامر

ABSTRACT:

Maulana Zafar Ali Khan(1873---1956) was an epoch-making personality who rendered his services in the fields of journalism, poetry and translations. Besides his literary endeavours, he played a pivotal role in the Khilafat Movement. He contributed in this historical movement as a mainstream leader and collected a sum of money to help the Turks, during their trying times. To present this amount and other gifts from Indian Muslims, he travelled to Turkey and presented these gestures of love to the Sultan of that time. In this article, details of his journey, along with his poetical works regarding the Turks are being produced. Some historical documents regarding these efforts have been discovered and presented in this article, for the first time.

Key Words:

Zafar Ali Khan, Turkey, Ottoman Empire, Istanbul, *Zamindar*, Khilafat

ترکی سے ہماری محبت کی اندازہ گیری کے لیے استنبول کے ایک مسافر یعنی مولانا ظفر علی خان (۱۸۷۳ء...۱۹۵۶ء) کے احوال سفر کا مطالعہ معلومات افزا ہو سکتا ہے ۔ ترکی اور اہل ترکی کے لیے ظفر علی خان مساعی کی دریافت ،تاریخ کے کچھ فراموش شدہ اوراق کی بازیافت کا درجہ رکھتی ہے ۔ظفر علی خان اپنی ادبی زندگی کی ابتدا ہی سے ترکی اور ترکوں کے ساتھ غایت درجہ محبت رکھتے تھے۔ جس کا اظہار ان کی نظم ونثر سے کیا جا سکتا ہے۔ اس تحریر میں ترکی اور ترکوں کے حوالے سے ظفر علی خان کے جذبات اور ان کی خدمات کے کچھ نقوش پیش کیے

جارہے ہیں۔اس تحریر میں کچھ ایسی دستاویزات بھی شامل ہیں جو پہلی بار سامنے آ رہی ہیں۔

مولانا کے مجموعہ ہائے کلام پر نظر ڈالیں تو ترکی اور ترک ان کے ہاں ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے دکھائی دیتے ہیں۔بیسویں صدی کی پہلی دہائی ہی سے ان کے ہاں مختلف نظموں میں یہ موضوع جھلکتا دکھائی دیتا ہے متعدد نظمیں خاص اسی حوالے سے لکھی گئی ہیں۔ اگر ان تمام نظموں کو جمع کرلیا جائے تو ایک اچھا خاصا رسالہ تیار ہوسکتا ہے ۔مثال کے طور پر یہاں ان کی ۱۹۱۲ء کی ایک نظم پیش کی جارہی ہے۔ اس نظم کا عنوان ہے ''مسلمانوں کا سیاسی زاویہ نگاہ: ۱۹۱۲ء میں''

تجھ سے اے ترکی ہمارا برقرار اعزاز ہے
تو ہمارے واسطے سرمایہ صد ناز ہے
ہم اگر بے دست و پا ہیں تو ہے خضر دستگیر
ہم اگر بشکستہ پر ہیں تو پر پرواز ہے
گونجتی تھی محفل عالم کبھی جس ساز سے
تو اسی ساز بلند آہنگ کی آواز ہے
سبز گنبد والے آقاؐ کا ہے تو جاروب کش
جس کی رحمت امت مرحوم کی دمساز ہے
نام ہے قائم گر اب تک دہر میں اسلام کا
سرور کون و مکاں کا یہ بھی اک اعجاز ہے
آئی ہے اٹلی کی شامت موت ہے سر پر سوار
اس لیے کھولے ہوئے اپنا دہان راز ہے
عشق لندن دل میں سودا سر میں استنبول کا
ہم مسلمانوں کی ہستی کا یہ اصلی راز ہے [۱]

ایک اور نظم کا عنوان ہے'' مسٹر لائیڈ جارج کے استعفا کی تاریخ''۔اس میں بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں ترکوں پر آنے والے سخت وقت پر اپنے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے ۔مسٹر لائیڈ جارج کے استعفا کی تاریخ ۱۳۴۱ھ نکالی گئی ہے ۔لائڈ جارج ۶ ردسمبر۱۹۱۶ء کو برطانیہ کے وزیراعظم بنے تھے ۔مخلوط حکومت میں پارٹی پوزیشن تبدیل ہوجانے پرانھیں ۱۹را کتوبر۱۹۲۲ء کو مستعفی ہونا پڑا۔یہی واقعہ اس نظم کی تخلیق کا سبب ہے ؎

ملوکیت کی زد میں گر نہ استنبول آ جاتا
تو پھر انگورہ اس کی موت کا پیغام کیوں ہوتا [۲]

ایک اور نظم میں ترکی اور ہندوستان کے مسلمانوں کی آزادی کو یوں باہم دگر اکٹھا کرتے ہیں :

ہو جائیں گے ترکی و عرب خود بخود آزاد
جس روز کہ ہم ہند کو آزاد کریں گے [۳]

عام طور سے ظفرعلی خان کی نظموں کے آخر میں ان کی تاریخ تخلیق درج ہوتی ہے لیکن ان دونو نظموں پر یہ اہتمام نہیں کیا گیا۔ پہلی نظم کی تاریخ تو مسٹر لائیڈ جارج کے استعفا کی تاریخ سے معلوم ہوگئی ۔دوسری نظم کے زمانہ تخلیق سے واقفیت کے لیے یہ بات راہ نمائی کرتی ہے کہ یہ نظم ان کے مجموعہ کلام حبسیات میں شامل ہے۔حبسیات کی اوّلین اشاعت ۱۹۲۶ء کی ہے۔ گویا یہ بات واضح ہے کہ یہ نظم ۱۹۲۶ء سے پہلے کہی جا چکی تھی۔ظفرعلی خان کے کلام میں ترکی کا مضمون کس طرح آگے بڑھتا رہا ہے ان کی شاعری کے مطالعے کا یہ بھی ایک دل چسپ موضوع ہوسکتا ہے۔ ظفرعلی خان پنجاب کے خلافتی راہ نماؤں میں شامل تھے۔وہ بنیادی طور پر نظم کے شاعر تھے غزل ان کے مزاج سے لگا نہیں کھاتی تھی۔ آغاز میں انھوں نے چند غزلیں کہی تھیں لیکن ان کے استاد گرامی مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء.....۱۹۱۴ء) نے انھیں غزل گوئی سے روک کر قومی شاعری کی طرف توجہ کرنے کی نصیحت کی تھی ۔ان کے ضخیم ترین مجموعہ کلام بہارستان میں ایک ''غزل مرقص'' دکھائی دیتی ہے ۔ یہ مجموعہ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔تیقن سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ غزل کب کہی گئی لیکن بہارستان کا سنہ اشاعت یہ تو واضح کر رہا ہے کہ یہ غزل ۱۹۳۷ء سے پہلے کہی جا چکی تھی ۔

عجب کیا رب کی اس قدرت پہ گر مسلم کو حال آئے
خلافت پر زوال آئے تو ساتھ اس کے کمال آئے
عروسِ دولتِ کابل کو ہو مشاطہ کی حاجت
تو استنبول سے افشاں کے چننے کو جمال آئے [۴]

ان اشعار میں جمال سے غازی جمال پاشا(۶رمئی ۱۸۷۲ء ...۲۱رجولائی ۱۹۲۲ء) اور کمال سے مصطفیٰ کمال اتاترک (۱۹رمئی ۱۸۸۱ء...۱۰رنومبر ۱۹۳۸ء) مراد ہے۔بیسویں صدی کی پہلی دہائی سے ترکی کے ساتھ جس محبت اور ارادت کا اظہار کیا جا رہا تھا اس کا سلسلہ بیسویں صدی کی چوتھی دہائی تک پہنچتا دکھائی دیتا ہے ۔یکم جنوری ۱۹۴۱ء کو کہی گئی نظم ''نئے سال کی نئی پھلجڑیاں''میں ترکی، ایران، شام، فلسطین ، مصر،حجاز،نجد اورعراق کو ایک ہی تسبیح کے دانے قرار دیتے ہیں، گویا کہہ رہے ہوں کہ ''پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو + جو مشکل ہے تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا''، نظم کا ذیلی عنوان''پاکستان'' ہے:

ترکی و ایراں، شام و فلسطیں ، مصر و حجاز و نجد و عراق
سب ہیں جو اک تسبیح کے دانے، ہے یہ پیمبر کا احسان [۵]

مولانا ظفرعلی خان نے ۱۹۱۳ء میں ترکی کا سفر اختیار کیا ۔یہ ان کے سفرلندن ومصر کا درمیانی مرحلہ تھا۔''وہ مارچ ۱۹۱۳ء کے آخر یا اپریل کے شروع میں استنبول پہنچے''۔ استنبول پہنچ کر وہ طلعت پاشا،انور پاشا،غازی جمال پاشا، سعید حلیم پاشا، ڈاکٹر کمال عمر، ڈاکٹر جواد پاشا شیخ عبدالعزیز شادیش،ڈاکٹر نسیم عمر،اور دوسرے ترک اکابر سے ملے ۔

جنگ بلقان میں جو علاقے ترکی کے قبضے سے نکل کر بلقانی ریاستوں کے پاس چلے گئے تھے ان میں بسنے والے مسلمان اناطولیہ آنا چاہتے تھے ان کے لیے ترکی حکومت نے نو آبادیوں کے قیام کی تجویز کی۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان نے اپنے اپنے اخبارات کامریڈ اور زمیندار کے ذریعے اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لیے زبردست جدوجہد کی تھی۔ مولانا کے قیام استنبول کے دوران ان نو آبادیوں کے لیے موزوں جائے وقوع کے تعین کی خاطر حکومت ترکی کی جانب سے ایک کمیشن قائم کیا گیا۔ اس کمیشن میں مولانا ظفر علی خان کو بھی شامل کیا گیا۔ مولانا نے اس کمیشن کے ساتھ اناطولیہ کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور نو آبادیوں کے متعلق ایک رپورٹ مرتب کر کے ترکی حکومت کو پیش کی۔ مولانا کا خیال تھا کہ ان نو آبادیوں میں ہندوستانی مسلمان بھی آ کر آباد ہوں تا کہ دونو ملکوں کے درمیان گہرے روابط کے قیام کی صورت پیدا ہو۔[۶]

راقم الحروف کے پاس مولانا ظفر علی خان کے برادرِ خورد چودھری غلام حیدر خان کی ایک غیر مطبوعہ تصنیف ظفر الملت کے کچھ اوراق محفوظ ہیں۔ ان منتشر اور نامکمل اوراق میں مولانا کے سفر ترکی کے حوالے سے ''سلطان محمد خامس سے ملاقات'' کے زیرِ عنوان، ذیل کی عبارت ملتی ہے:

''جب سابق صوبہ پنجاب کے فرنگی حاکم اعلیٰ سر مائیکل اوڈوائر کے زمانے میں بھائی صاحب انگلستان چلے گئے تو وہاں انھوں نے پریس کی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے انگریزی زبان میں ایک کتابچہ لکھا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ لندن سے بھائی صاحب دولت عثمانیہ کے دارالخلافہ استنبول پہنچے جہاں انھیں ترکی کے سلطان محمد خامس سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس موقع پر بھائی صاحب نے ذیل کے اشعار میں مسلمانانِ ہند کی طرف سے ان کی ارادت وعقیدت کی ایسی نذر پیش کی [جس کی مثال تاریخ میں شاید مشکل سے مل سکے]

انگریزی کتابچے کے بارے میں راقم اپنی کتاب مکاتیب ظفرعلی خان میں تفصیل سے لکھ چکا ہے، قلابین کا جملہ مصنف نے لکھ کر قلم زد کر دیا ہے۔ یہاں مفہوم کی تکمیل کے لیے اسے شامل متن کیا گیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ظفر علی خان کے قصیدے سے چار اشعار نقل کیے ہیں۔ ان اشعار کے بعد لکھتے ہیں کہ:

> ''ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی طرف سے اس سے زیادہ پروقار اور مخلصانہ نمائندگی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اتحاد بین المسلمین کے زاویہ نگاہ سے بھائی صاحب کی یہ ایسی قابل قدر خدمت ہے جس پر یہ ملت اسلامیہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے''۔[۷]

چودھری غلام حیدر خان نے جس قصیدے کے چار اشعار نقل کیے وہ پورا قصیدہ قسطنطنیہ میں ۲۴ رجب ۱۳۳۱ھ کو کہا گیا اور پہلی بار روزنامہ زمیندار میں لاالہ الااللّٰہ محمدرّسول اللہ کے زیرِ عنوان ۲۴ جولائی ۱۹۱۳ء کو شائع ہوا۔ بعد ازاں مولانا ظفر علی خان کے مجموعہ کلام بہارستان میں اسی عنوان سے شامل اشاعت ہوا۔ بہارستان کی اوّلین اشاعت وہ تھی جو دارالاشاعت بہارستان گجرات سے ۱۹۳۷ء میں ہوئی لیکن مولانا ظفر علی خان کے ذوق اور معیار پر پوری نہ اترنے کے باعث ضائع کر دی گئی۔[۸] اس کے بعد مولانا نے اس کتاب کی از سرِ نو کتابت کروا کر اسے اردو اکیڈمی لاہور سے شائع کروایا۔ ان دونو اشاعتوں کا متن ہمارے پیشِ نظر ہے۔ ان دونو کے آخر میں تخلیق

نظم کا ایک ہی زمان و مکان درج ہے یعنی '' قسطنطنیہ ۲۴رجب ۱۳۳۱ھ'' اور آغاز کی عبارت بھی یکساں ہے۔ کلیات ظفرعلی خان کی جدید اشاعت میں بھی یہ نظم موجود ہے[9] اور اس کا عنوان کلمہ طیبہ ہی ہے۔ذیل میں یہ پوری نظم پیش کی جارہی ہے تاکہ سلطان کے حضور پیشی کے وقت ظفرعلی خان کے جذبات و خیالات کا اندازہ کیاجاسکے۔آغاز کی نثری عبارت کے بعض کلمات کا مفہوم واضح نہیں تاہم کذافی الکتابۃ کے طریقے سے ہم بہارستان کی یہ تمہیدی عبارت بعینہٖ پیش کررہے ہیں:

لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

بنظر انور ملازمان صدر صفہ شہریاری و مہرسپہر تاجداری خاقان ابن الخاقان سلطان بن سلطان شہنشاہ بحرو بر خادم الحرمین الشرفین امیرالمومنین خلیفۃ المسلمین اعلیٰ حضرت سکندر شوکت سلیمان حشمت محمدخاں خامس مدظلہ العالی خلداللہ ملکہ وافاض علی العالمین برہ احسانہ

....

بہ سلطان از غلامانش ہمیں یک التجا باشد
کہ مادر پائے او مانیم و او در چشمِ ما باشد
خلافت مدعا جوید کہ ما از آنِ سلطانیم
اخوت بر ملا گوئید کہ او از آن ما باشد
مسلمانانِ عالم را مثالِ اختراں بینم
محمدؐ خامس اندر اختراں بدر الدجیٰ باشد

....

زوستت رفت اگر رو میلیا دل بدمکن شاہا
بدست آوردۂ ملکے کہ باجش آسیا باشد
مسخر کشورِ دل را نمود اقبال سُلطانی
ہمی نازیم جانہارا کہ درِ راہت فدا باشد
بیک جنبش گر ابرویت اشارت می کند مارا
ز مشرق تا بہ مغرب صد قیامت رونما باشد

....

ہلال ار بدر شد کا ہید نش لازم بود اما
خوش آں کاہش کہ صد افزونیش اندر قفا باشد
حذر اے دشمنانِ ملتِ بیضا ازاں ساعت
کہ در دستِ امیر ما لوائے مصطفیٰؐ باشد

حدیث انتم الاعلون ازیادم نخواہد رفت
محال است ایں کہ مغلوب امتِ خیرالوریٰ باشد
اگر خونش حیاتِ تازہ بخشد جسمِ مذہب را
بخون غلطیدنِ ملت بکیش ما روا باشد
پیامِ الفت از دہلی بہ استنبول آوردم
مثالِ بوئے گل ہستم کہ بردوشِ صبا باشد

....

قسطنطنیہ

۲۴؍رجب ـ ۱۳۳۱ھ [۱۰]

خوش قسمتی سے اس محفل کی ،جس میں ظفرعلی خان نے اپنا یہ قصیدہ مدحیہ پیش کیا تمام کیفیت محفوظ ہے اور یہ تفصیل خود ظفرعلی خان کی نوشتہ ہے جس کے مطابق وہ سلطان کی خدمت میں پیش ہوئے تو اپنے ساتھ ایک نقرئی کشتی بھی لے کر گئے تھے ۔جس میں سلطان کو پیش کرنے کے لیے تحائف تھے ۔سلطان نے اپنے ہاتھ سے اس کشتی کا ڈھکن کھولا اور پیرس کی ساختہ اس کشتی میں رکھی گئی کتاب اور اخبار کا شمارہ ملاحظہ کیا ۔بعدازاں ظفرعلی خان نے گفتگو کی، جس کا مفاد یہ تھا کہ ’’ہندوستان میں ہمارے دو بادشاہ ہیں ۔ایک جارج خامس اور دوسرے محمد خامس ۔ جارج خامس ہماری جان کے مالک ہیں لیکن محمد خامس کا قبضہ ہمارے دلوں پر ہے اور ہماری دلی تمنا ہے کہ دونوں تاجداروں کے تعلقات برادرانہ رہیں تا کہ ہماری جانِ حزین ہمارے دلِ ناشاد سے الجھنے نہ پائے‘‘ سلطان نے یہ گفتگو بہ غورسنی اور جواباً ہندوستانی مسلمانوں کی جانب سے ترکوں کے لیے جس محبت و اخلاص کا مظاہرہ کیا گیا تھا اس کا شکر یہ ادا کیا اوردعا کی کہ ’’ اللہ تعالی اپنی رحمتیں اور برکتیں ہندوستانی مسلمانوں پر نازل فرمائے‘‘ اس ملاقات کی روداد ظفرعلی خان کے ۷؍جولائی ۱۹۱۳ء کے روزنامچے مرقومہ اسکندریہ میں درج تھی ۔مرحوم عبداللہ قریشی کے مطابق یہ روزنامچہ شیخ کرامت اللہ صاحب (گجرات) کے پاس موجودتھا۔جن سے حاصل کرکے قریشی صاحب نے یہ روداد نقوش لاہور میں شائع کی [۱۱] لیکن اب معلوم نہیں کہ یہ روزنامچہ کہاں ہے......؟ایک بات اس نقل میں عجیب واقع ہوئی ہے کہ سلطان کو پیش کرنے کے لیے ظفرعلی خان جو کتاب کشتی میں رکھ کر لے گئے وہ علامہ اقبال کی بانگ درا تھی [۱۲] اس سے قبل شورش کاشمیری صاحب بھی اپنی کتاب میں یہی بات لکھ چکے تھے۔ انھوں نے زمیندار کا وہ شمارہ بلقان نمبر بتایا ہے اور کتاب بانگ درا ۔[۱۳] یہی بات حکیم عنایت اللہ نسیم صاحب نے نقل کی ہے [۱۴] اور یہی بات ڈاکٹر غلام حسین صاحب نے ۔[۱۵] ڈاکٹر صاحب نے البتہ ایک حاشیے میں اس پر اظہار تعجب ضرور کیا ہے کہ بانگ درا تو ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی ۱۹۱۳ء میں وہ سلطان کی خدمت میں کیسے پیش کی جاسکتی تھی [۱۶] لیکن اس معمے کو حل وہ بھی نہیں کرسکے ۔حقیقت یہ ہے کہ سلطان سے ملاقات میں انھیں زمیندار کے شمارے کے ساتھ بانگ درا

نہیں بلکہ علامہ اقبال کی نظم'' فاطمہ بنت عبداللہ'' پیش کی تھی ۔(قارئین کی ضیافت طبع کے لیے علامہ اقبال کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اس نظم کا عکس اس وقت تک تحریر کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے) بانگ درا کا تو کوئی وجود نہیں تھا البتہ بعدازاں یہ نظم بانگ درا میں ضرور شامل ہوئی ۔ہمیں اس بات کا سراغ مرزا عبدالحمید کے مضمون سے ملا۔ ایک روایت کے مطابق مولانا کا روزنامچہ انھی کے پاس تھا ۔ مرزا صاحب مرحوم پرانی انارکلی لاہور میں رہتے تھے انھوں نے زمیندار کے گولڈن جوبلی نمبر میں اس ڈائری کا ایک حصہ شائع کیا تھا۔ان کے نقل کردہ حصے میں سلطان کے لیے مولانا کی نذر کے سلسلے میں یہ مرقوم ہے کہ''اس نذر کی تقریب کے سلسلے میں مولانا نے علامہ اقبال کی نظم ''فاطمہ'' کو نشان زد کر کے اور زمیندار کا ایک خاص نمبر پیش کیا''[۱۷] اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس ملاقات میں مولانا ظفر علی خان اکیلے نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ ڈاکٹر مختار احمد انصاری (ڈائریکٹر آل انڈیا میڈیکل مشن) اور احمد فواد پاشا (ممبر ایگزیکٹو کمیٹی نیشنل ڈیفنس ایسوسی ایشن) بھی تھے اگرچہ گفتگو مولانا ہی نے کی اور ذریعہ اظہار فارسی رہا ۔ زمیندار کا جو خاص شمارہ سلطان کی نذر کیا گیا وہ بلقان نمبر تھا جیسا کہ سطور بالا سے واضح ہو چکا ہے ۔نظم'' فاطمہ'' سے مراد سوائے'' فاطمہ بنت عبداللہ'' کے اور کونسی نظم ہو سکتی ہے جو اس وقت کہی گئی جب بہ قول مولانا محمد علی جوہر''اٹلی کے ظلم وستم سے پانچ ہزار چھ سو عرب اور ۱۸۰۰ ترک مارے گئے اور اس ظلم پر ستر ملین مسلمان تڑپ رہے تھے''[۱۸] اس وقت سلطان محمد خامس کو یہ نظم پیش کرنا برمحل تھا۔ فاطمہ بنت عبداللہ طرابلس کی جنگ میں مجاہدین کو پانی پلاتے ہوئی شہید ہونے والی ایک کم سن لڑکی تھی ۔اٹلی کے ستمبر ۱۹۱۱ء میں طرابلس پر حملے کے وقت ترکی سلطنت کے پاس صرف دو جنگی جہاز تھے اور وہ بھی مرمت طلب، بری فوج، مصر میں تھی جہاں انگریزوں نے اس کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں مسلمانانِ طرابلس ،اٹلی کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے ۔ اس جنگ میں فاطمہ بنت عبداللہ میدان جنگ میں مشکیزہ کاندھے پر اٹھائے زخمیوں کو پانی پلاتی پھر رہی تھی [۱۹] یہ شیر دل لڑکی ایک اطالوی فوجی کے ہاتھوں شہید ہو گئی لیکن اس کی شہادت نے عالم اسلام کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ۔اقبال کی یہ نظم اسی واقعے کی یادگار ہے، جس میں انھوں نے فاطمہ کو خاکسترامت میں پنہاں ایسی چنگاری قرار دیا جس کی مشتِ خاک کا ہر ہر ذرّہ معصوم تھا۔ یہی وہ کیفیات تھیں جنھیں علامہ اقبال نے نظم کا پیرایہ عطا کیا [۲۰]۔ظفر علی خان نے اپنے ترک بھائیوں سے اظہار محبت کے لیے اقبال کی یہ نظم سلطان کی خدمت میں پیش کی ۔سلطان کے ساتھ ہونے والے مکالمے کی تفصیل خود ظفر علی خان کی تحریر سے معلوم ہوتی ہے جسے بجنسہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

> '' جہاں پناہ ! ساڑھے سات کروڑ مسلمانانِ ہند کی طرف سے جنھیں اسلام کی سیزدہ صد روایات نے حضور کے تخت و تاج کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے ......حضور کی خدمتِ بابرکت میں محبت آمیز ارادت وعقیدت کی ناچیز نذر پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔حضور اس الفت، اس محبت، اس ارادت کا اندازہ نہیں فرما سکتے جو مسلمانانِ عالم کو عموماً اور مسلمانان ہند کو خصوصاً حضور کی ذات مبارک کے ساتھ ہے، جو حرمین الشریفین کے خادم اور اسلامیوں کی کشتی کے ناخدا ہیں۔ ہندوستان میں ہمارے دو بادشاہ ہیں۔ ایک جارج خامس اور دوسرے محمد

خامس۔ جارج خامس ہماری جان کے مالک ہیں لیکن محمد خامس کا قبضہ ہمارے دلوں پر ہے اور ہماری دلی تمنا ہے کہ دونوں تاجداروں کے تعلقات برادرانہ رہیں تا کہ ہماری جانِ حزین ہمارے دلِ ناشاد سے الجھنے نہ پائے"

ہماری ان ناچیز گزارشات کو اعلیٰ حضرت کمال توجہ سے سنتے رہے اور جب ہماری گزارش ختم ہوچکی تو فرمایا:

''ہم مسلمانانِ ہند کے جنھیں اخوت اسلامی کے رشتے نے ہمارا بھائی بنا رکھا ہے۔ بدل و جان ممنون ہیں۔ انھوں نے آڑے وقت پر ہمارا ہاتھ بٹایا اور مصیبت کے وقت ہمارے کام آئے۔ ہمارا دلی شکریہ، ان کی محبت آمیز ہمدردی کے لحاظ سے ان تک پہنچا دو۔ ہم خداوند کریم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنی رحمتیں اور برکتیں ہندوستانی مسلمانوں پر نازل فرمائے۔ آمین ثم آمین۔''

اعلیٰ حضرت نے یہ الفاظ ایسے رقت آمیز لہجہ میں ارشاد فرمائے کہ ہمارا دل بھرآیا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو ڈبڈبا آئے۔ ہم نے مودبانہ عرض کی کہ جہاں پناہ اگر اجازت عطا فرمائیں تو کمترین اپنے کروڑوں ہم وطنوں کی طرف سے حضور کے دستِ اقدس کو بوسہ دینے کا اعزاز حاصل کرے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ تقبل کی اجازت نہیں۔ البتہ سنتِ حضور فخر المرسلینؐ کے اتباع کو مدِ نظر رکھ کر مصافحہ کریں گے۔ یہ کہہ کر حضور نے اپنا دستِ مبارک بڑھایا اور مصافحہ سے ہماری اور مسلمانانِ ہند کی عزت کو دوبالا فرمایا۔ آخر میں حضور انور نے ارشاد کیا کہ ہمیں آپ سے مل کر نہایت خوشی ہوئی اور آپ کے خیالات سے ہم نہایت محظوظ ہوئے۔ یہ ارشاد فرما کر حضور نے لطفی بے کو فرمایا: ''انھیں لے جا کر قہوہ پلاؤ'' دراصل یہ رخصت کا اشارہ تھا۔ یہ فرما کر اعلیٰ حضرت محل میں تشریف لے گئے اور ہم بہت سی دل پذیر و دل آویز یادگاروں کو دل میں جگہ دیتے ہوئے شربت اور قہوہ خوری کے بعد یلدیز کوشک سے رخصت ہوئے''۔[۱۲]

مولانا ظفرعلی خان نے اپنے اخبار کے ذریعے ترکی ریلیف فنڈ قائم کرکے برادران ترکی کے لیے ایک رقم اکٹھی کی تھی۔ اس رقم کی فراہمی کے لیے انھوں نے جس طرح محنت کی اور مسلمانان ہند نے جس طرح ترک بھائیوں کے لیے دل کے دروازے کھول دیے، وہ ایک الگ داستان ہے۔ مولانا ظفرعلی خان نے یہ رقم حکومت ترکیہ کو پیش کی۔ یہ رقم پیش کرتے ہوئے ان کے ادارے کے رکن اور زمیندار ترکش ریلیف فنڈ کے اعزازی سیکریٹری چودھری غلام حیدر خان نے قسطنطنیہ کے وزیراعظم (Grand Vazir) کو جو خط لکھا خوبیِ قسمت سے ہمیں اس خط کا عکس حاصل ہوگیا ہے۔ یہ اصل خط حکومت ترکی کے تحت، دولت عثمانیہ کی شاہی دستاویزات Ottoman Imperial Archives میں محفوظ ہے ذیل میں اس خط کا متن درج کیا جاتا ہے۔

The Most Influential of Urdu Papers,

THE ZAMINDAR,

LAHORE.

SEPARATE DAILY AND WEEKLY EDITIONS MOST WIDELY

CIRCULATED No.___ Dated 23rd December 1913

To

His Highness

The Grand Vazir of Turkey

Constantinople

Yours Highness,

I beg to enclose herewith a draft of L334/12/8 on the National Bank of India Ld, London, and to request that you will kindly hand over the same to Dr. Essad Pasha President Colonisation Committee Anatolia for the relief of our Turkish brethren.

A draft of L1800/- was remitted on 22nd September 1913, to your address through the Imperial Ottoman Bank by the local orient Bank of India, Ld Lahore, for the said purpose. I hope that

Dr. Essad Pasha will favour me with separate receipts of L1800/- and L334/12/8.

I have the honour to be

Your Highness' most obedient servant

(ghulam Hyder Khan)

Hony Secretary Zamindar Turkish

Relief Fund Lahore [۲۲].

۲۳ر دسمبر ۱۹۱۳ء کو لکھے گئے اس خط میں دو رقوم کے بھیجے جانے کا ذکر ہے ۔ ادارہ زمیندار کی جانب سے گرینڈ وزیر کو اس سلسلے میں ایک ٹیلی گرام بھی بھیجا گیا۔ خوش قسمتی سے ہمیں یہ ٹیلی گرام دیکھنے کا بھی موقع مل گیا اور اس کا عکس بھی ان سطور کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے ادارہ زمیندار کی جانب سے وزیر اعظم (گرینڈ وزیر) کو بھیجے گئے اس ٹیلی گرام میں لکھا گیا:

> Please acknwledge telegraphically L 10000 cablez on twentythird december on behalf of zamindar turk relief fund...Zamindar.[۲۳]

یہ ٹیلی گرام دولت علیہ عثمانیہ ادارہ سی کے پیڈ پر چسپاں ہے ۔ استنبول ٹیلی گراف آفس کی مہر لگی ہوئی ہے لیکن اس پر درج تاریخ خوانا نہیں ہے۔ یہ ٹیلی گرام بھی Ottomon Imperial Archives ترکی میں محفوظ ہے اور

ان سطور کے ساتھ پہلی بار اس کا عکس شائع کیا جا رہا ہے۔ چودھری غلام حیدر خان کے جس غیر مطبوعہ مسودے سے بات کا آغاز کیا گیا تھا اس میں ''بین الاسلامی اتحاد'' کے زیرِ عنوان یہ عبارت موجود ہے:

> ''قسطنطنیہ میں دولت عثمانیہ کے اعلیٰ حکام نے جس دلی تپاک سے بھائی صاحب کا خیر مقدم کیا وہ دورِ حاضر میں بین الاسلامی اتحاد کی روح پرور مثال قرار دی جاسکتی ہے۔ ترکی کے اکابر نے زمیندار کی اسلامی خدمات اور ہندوستانی مسلمانوں کی مالی امداد سے متاثر ہو کر جو زمیندار کے ذریعے سے ترکی حکومت کو جنگ بلقان کے دوران موصول ہوئی تھی، بھائی صاحب کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ وہ زمیندار کے نام سے ترکی میں ایک بستی قائم کریں جو ہندوستان اور ترکی کے مسلمانوں کے باہمی اخوت کی ایک زندہ یادگار ہو۔ غرض بھائی صاحب نے دنیائے اسلام میں اسلامی اخوت اور یگانگت کی فضا پیدا کرنے کے لیے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی پھر ایسے زمانے میں جب یورپین طاقتوں اور بالخصوص حکومت برطانیہ کی یہ انتہائی کوشش تھی کہ اتحاد بین المسلمین کی تحریک حرفِ غلط کی طرح مٹا دی جائے اور فرزندانِ اسلام ان مجاہدانہ اوصاف سے عاری رہیں جن میں ان کی طاقت وعظمت کا راز مضمر ہے تاکہ یورپ کی بڑی طاقتوں کو مسلمانوں کی خامیوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا رہے۔ انگریز، بھائی صاحب کو اسی بنا پر اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے کہ یہ شخص اسلامی حکومتوں کے خلاف انگریزوں کے خفیہ منصوبوں کی دھجیاں فضائے آسمانی میں ایسے انداز سے اڑاتا ہے جن سے انگریزوں کے خلاف تمام دنیا میں نفرت اور غصے کے جذبات برانگیختہ ہوجاتے ہیں۔ بھائی صاحب کو اس زمانے میں بعض قابلِ اعتماد ذرائع سے معلوم ہوگیا تھا کہ فرنگی حکومت نے ایک خاص آدمی بطور جاسوس ان کے پیچھے چھوڑ رکھا ہے جو انگریزی حکومت کو اتحاد بین المسلمین کی تحریک کے سلسلے میں بھائی صاحب کی سرگرمیوں سے باخبر رکھے۔ انھیں یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ یہ جاسوس قسطنطنیہ میں موجود تھا۔ ......''[۲۴]

اس اقتباس میں زمیندار نامی جس بستی کے بسانے کا ذکر ہے۔ ترکی کے ایک اخبار سبیل الرشاد میں شائع ہونے والی ایک خبر سے اس کی تصدیق ہوجاتی ہے سبیل الرشاد ترکی سے عثمانی رسم الخط میں نکلنے والا ایک اخبار تھا۔ اس کے ایک شمارے میں شائع ہونے والی خبر کا متن درج ذیل ہے:

> ''ہندوستانی علما میں سے زمیندار اخبار کے مدیر محترم ظفر علی خان اناطولیہ کے داخلی علاقے میں اپنے خرچ پر دو دو سو خاندانوں پر مشتمل کچھ قصبے آباد کرنے کی غرض سے ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم انجمن ہلال احمر کے سربراہ انصاری صاحب اور مصر کے فواد صاحب کے ہمراہ اناطولیہ کے سفر پر نکلے ان حضرات کی تحقیقات کی روشنی میں اس کام کے لیے انقرہ کے قرب وجوار میں مناسب جگہ نہ ملنے پر قونیہ کی طرف رختِ سفر باندھنے کا تذکرہ انقرہ کے اخبار میں

مذکور ہے۔

ان شاء اللہ وہ اپنے بلند مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوں گے ۔اناطولی کے مہمان نواز مسلمانوں کی جانب سے ان حضرات کی غیرمعمولی مہمان نوازی کا تذکرہ یہاں کے اخباروں میں دیکھنے کو ملا۔ یہاں کے مسلمانوں کی مہمان نوازی سے اسی بات کی توقع کی جاسکتی تھی'' [۲۵]

یہ اطلاع ترکی اخبار سبیل الرشاد میں شائع ہوئی، خبر کا عکس بھی اس تحریر کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے ۔اس اقتباس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ترکوں کے لیے ظفرعلی خان نے جو خدمات انجام دیں ان کے باعث انھیں ترکی حلقوں میں عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔وہ ترکی میں جونئی بستیاں بسانا چاہتے تھے ان میں سے ایک بستی کا نام بھی زمیندار تجویز کیا گیا تھا۔ بہ قول شورش کاشمیری مولانا کی آؤ بھگت میں ترکوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی آپ کے اعزاز میں کئی تقریبات رچائی گئیں ایک مشہور ترک سیاستدان نے آپ سے اپنی بیٹی کے نکاح کی پیش کش کی لیکن آپ خوب صورتی سے طرح دے گئے ، ہندوستان واپس پہنچے تو ملک بھر میں آپ کا نام نوک زبان تھا سب سے پہلے بمبئی میں آپ کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا دہلی کے مسلمانوں نے وہ فقید المثال جلوس نکالا کہ ایک بڑھیا کا اکلوتا بچہ ہجوم میں دب کر مرگیا تو اس نے بڑے حوصلے سے اعلان کیا کہ اگر اس کے دس بیٹے ہوتے اور اسی طرح ظفرعلی خان پر قربان ہوجاتے تو اسے کوئی ملال نہ ہوتا مولانا دہلی سے لاہور پہنچے تو یہاں تقریباً ایک لاکھ لوگوں نے آپ کا استقبال کیا۔ [۲۶] ظفرعلی خان کی اسی مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے چودھری غلام حیدر خان نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرات تو ایک طرف ظفرعلی خان کو ترکی کے طبقہ اناث میں بھی مقبولیت حاصل تھی ۔چودھری غلام حیدر خان لکھتے ہیں:

''اس کے علاوہ بھائی صاحب کے ترک مداحین کی طرف سے یہ بات بھی ان کے گوش گزار کردی گئی تھی کہ زمیندار اور ترکوں کے برادرانہ تعلقات کو مستحکم اور دیرپا رکھنے کی غرض سے انھیں کسی ترکی خاتون کو اپنے حبالہ عقد میں لانے کی تجویز پر غور کرنا چاہیے ۔ دولت عثمانیہ میں بھائی صاحب اپنی انقلاب آفرین اسلامی خدمات اور مالی قربانی کی بنا پر اس قدر ہر دلعزیز ہوگئے تھے کہ مرد تو کہیں رہے ترکی کے نسوانی حلقوں میں بھائی صاحب کا نام ادب اور احترام سے لیا جاتا تھا''۔ [۲۷]

شہرت اور مقبولیت کی یہ لہر جو ترکی میں محسوس کی گئی ہندوستان تک بھی پہنچی۔اس کے دو اظہار ہمارے سامنے ہیں ایک تو وہ جسے کاروباری سطح پر مولوی انشاء اللہ خان نے محسوس کیا اور ظفرعلی خان کے اخبار کے ساتھ شراکت کی خواہش کرنے لگے۔ دوسرے وہ جس کے تحت قوم کے دل میں ان کی خدمات کے اعتراف کا جذبہ ابھرا جس کا ثبوت اردو کے قومی شاعر خواجہ الطاف حسین حالی کی جانب سے ظفرعلی خان کے لیے کہی گئی نظم سے ملتا ہے ۔ جہاں تک اعتراف کی پہلی شکل کا تعلق ہے تو اس حوالے سے چودھری غلام حیدر خان نے یہ دل چسپ بات لکھی ہے کہ ''لاہور میں اخبار وطن کے ایڈیٹر مولوی انشاء اللہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ بھائی صاحب طرابلس کی جنگ کے سلسلے میں زمیندار کو روزنامہ بنانے والے ہیں تو انھوں نے بھائی صاحب سے درخواست کی کہ وہ انھیں اپنا شریکِ کار

بنالیں ۔ بھائی صاحب نے اُس وقت یہی جواب دینا مناسب سمجھا کہ میں آپ کی اس تجویز پر غور کروں گا ۔ بھائی صاحب نے ڈاکٹر اقبال سے اس تجویز کا ذکر کیا تو انھوں نے بھائی صاحب کو یہ رائے دی کہ تمھیں اس معاملے میں کسی کو اپنا شریکِ کار بنانا نہیں چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب جانتے تھے کہ ایسی شراکت کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلتا'' [۲۸]

جہاں تک مولانا حالی کی اثر پذیری کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ منشی وجاحت حسین جھنجانوی کے نام ان کے خط اور مولانا ظفرعلی خان کے لیے لکھی گئی ان کی شاندار نظم سے ہوتا ہے جسے وہ خود پڑھ کر ظفرعلی خان کو سنانا چاہتے تھے ۔ [۲۹] لاہور میں ان کے استقبال کا جلوس اتنا بڑا تھا کہ مکانوں کی چھتوں، بازاروں اور سڑکوں پر ہر طرف سر ہی سر نظر آتے تھے۔ مولانا کو ایک شاندار فٹن پر سوار کر کے شہر میں گھمایا گیا اور ان کی فٹن کو نوجوانوں نے اپنے ہاتھوں سے کھینچا [۳۰] دوسری جانب ترکوں کی طرف سے بھی اس محبت کا جواب دیا گیا، یوں کہ اظہارِ تشکر کے لیے ایک ترکی وفد بھی آیا جو تمام ہندوستان میں گھوما پھرا یہ وفد دفتر زمیندار میں بھی گیا [۳۱] اور ترک عوام نے مولانا کی ان خدمات کو یاد رکھا۔ حکیم نیرواسطی کی ایک روایت ہے کہ جب وہ ترکی گئے تو ایک بوڑھی ترک عورت ان کے پاس آئی اور ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ لاہور سے آئے ہیں ......؟اثبات میں جواب ملنے پر اس نے پوچھا کہ کیا آپ ظفرعلی خان کو جانتے ہیں ؟ان کا کیا حال ہے؟ واپس جا کر ان سے ہمارا سلام کہیں! ......حکیم صاحب نے جب یہ بتایا کہ مولانا ظفرعلی خان کا انتقال ہو چکا ہے تو وہ بے اختیار رونے لگی اور اس نے کہا جب ترکیہ پر مصیبت آئی تھی تو وہ ہماری امداد کو آئے تھے اور وہ ہمارے لیے ہردم سرگرم تھے......'' [۳۲]

ظفرعلی خان نے بہارستان میں جو ان کے کلام کا ضخیم ترین مجموعہ ہے، ایک باب ''آویزش ہلال وصلیب'' کے عنوان سے مختص کیا ہے اس باب کی اکثر نظمیں ترکی اور ترکوں سے متعلق ان کے جذبات کی ترجمانی کرتی ہیں ۔ایک نظم میں، جس کا عنوان ''ترک اوراطالوی'' ہے،فرماتے ہیں:

لڑے گا کیا مسلمانوں سے اٹلی — تقابل کیا شغال اور شیر نر کا
اڑانے کو ہے ٹرکی کوئی دم میں — پھریرا نصر ت و فتح و ظفر کا
فرشتے ہیں مددگارانِ اسلام — یہ لشکرہے دعا ہائے سحر کا
خدا ترکوں کی فرمائے گا امداد — تصدق احمدِ مرسل کے سر کا [۳۳]

ان کے علاوہ بھی متعدد نظمیں جیسے آصف جاہ سابع اور سمرنا [۳۴] صلیب و ہلال [۳۵] کارزار طرابلس [۳۶] جنگ طرابلس [۳۷] بادل میں بجلی [۳۸] وغیرہ بھی ترکی اور ترکوں سے متعلق ان کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کرتی ہیں۔آخر میں جنگ طرابلس و بلقان کے حوالے سے ظفرعلی خان کی زمانہ قیام قسطنطنیہ ۱۹۱۳ء میں کہی گئی ایک اور نظم میں ترکوں کی ہزیمت اور عالم اسلام کی شکست پر ظفرعلی خان کا دل ،خون کے آنسو روتا دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے برطانوی استعمار کے ہاتھوں عالم اسلام کی تباہی کا نام بہ نام ذکر کیا ہے اور نظم کا نام'' وزیرخارجہ صیغہ برطانیہ سرایڈورڈ گرے'' ہے۔سرایڈورڈ گرے Sir Edward Grey (۲۵/اپریل ۱۸۶۲ء......۷/ستمبر ۱۹۳۳ء) برطانوی لبرل پارٹی کے پارلیمینٹیرین اور پہلی جنگ عظیم میں برطانوی خارجہ پالیسی کے شہ دماغ تھے جو ۱۰/دسمبر ۱۹۰۵ء سے

۱۰/دسمبر ۱۹۱۶ء تک حکومت برطانیہ میں خارجہ معاملات کے سیکریٹری آف سٹیٹ رہے:

خوب جی بھر کے سراڈورڈ گرے سے دیکھ چکے
ہم غریبوں کے سیہ خانے کا ویراں ہونا
اپنے شیرازۂ ہستی کا بکھیرا جانا
اپنی جمعیتِ قومی کا پریشاں ہونا
برقِ تثلیث کا توحید کے گھر پر گرنا
ظلمتِ کفر میں ایمان کا پنہاں ہونا
ترک کے طرّۂ طرار کا جھک جھک جانا
چاک دامانِ عرب تا بگریباں ہونا
خاک کا ورنہ و طبروق کے سر پر اُڑنا
خون میں مشہد و تبریز کا غلطاں ہونا
مصر کے سینۂ صد چاک کے پُرزے اُڑنا
ہند کے دیدۂ نمناک کا طوفاں ہونا
صفِ ماتم ادھر ایران کے اندر بچھنا
اور مراقش میں ادھر حشر کا ساماں ہونا
ستم ایجادیِ بلقان کی لکھتے ہوئے شرح
بید کی طرح مرے خامہ کا لرزاں ہونا
یہ مسلمان ہیں ، اس جرم میں کردو انھیں قتل
دستِ بلقان میں یورپ کا یہ فرماں ہونا
خانماں سوختہ مسلم کی تمناؤں کا
دشتِ غربت میں سرا سیمہ و حیراں ہونا
خانقاہوں سے مشائخ کا گھسیٹا جانا
اور مساجد میں صلیبوں کا نمایاں ہونا
کبھی جن پردہ نشینوں کا نہ اُٹھا تھا نقاب
اُن کے ناموس کا بازار میں عریاں ہونا
یوں تبہ کر کے ہمیں آپ کو اب ہے منظور
جنگ کو روکنا اور صلح کا خواہاں ہونا

''کی مِرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا''

قسطنطنیہ ۱۹۱۳ء[۳۹]

یہ نظم صورتِ حال کی منفیت کی آئینہ داری کررہی ہے لیکن ظفرعلی خان اچھے مستقبل کی امید رکھنے والے اور رجائی شاعر ہیں ۔ترکی اور ترکوں سے ان کی محبت جوش و جذبے سے بھرپور ہے ۔وہ اسلام کو ایک سمندر اور ترکی کو اس کا ایک جزو قرار دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ظاہری اسباب کی کمی کی تلافی ،قومی جوش وخروش سے کی جاسکتی ہے۔انھیں ترکوں کی باطنی قوت پر اس قدر یقین ہے کہ وہ نہایت مایوس کن حالات میں بھی یہ قرار دیتے ہیں کہ اگر سارا یورپ مل کر بھی ترکی کو مٹانے کے درپے ہوجائے تو بھی ترک قوم میں وہ تاب وتواں ہے کہ اسے مٹایا نہیں جاسکتا۔ظفرعلی خان کی یہ رجائیت بے بنیاد نہیں تھی ۔ترکوں پر سے ادبار کے بادل چھٹ گئے اور عظیم ترک قوم بالآخر یونان، اٹلی، فرانس، برطانیہ اور امریکہ کے دندان آز سے نجات پانے میں کامیاب ہوگئی ۔آج ترکی جمہوریت، جدیدیت ،ٹیکنالوجی اور تعلیم کی جو منزلیں طے کررہا ہے انھیں دیکھتے ہوئے مستقبل کی مزید کامیابیوں کا بآسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ظفرعلی خان، ادبار کے زمانے میں اچھے مستقبل کی امید کا اس طرح اظہار کرتے ہیں۔ نظم کا عنوان'' ترک'' ہے۔اس کا زمانہ تخلیق بھی نظم پر مندرج نہیں یہ نظم بہارستان (مطبوعہ ۱۹۳۷ء) میں موجود ہے لیکن اس سے پہلے حبسیات میں بھی شائع ہوچکی ہے جس سے یہ معلوم کرنا دشوار نہیں کہ یہ نظم ۱۹۲۶ء سے پہلے کہی جاچکی تھی ۔دونو متون میں فقط مطلع کا پہلا حصہ بدلا گیا ہے باقی نظم بعینہ وہی ہے ۔حبسیات میں مطلع کا مصرعہ اولیٰ ''لیظھرہ'' سے شروع ہورہا ہے تو بہارستان (مطبوعہ ۱۹۳۷ء) میں'' لیظھرلا'' سے:

ہے اِسلام اِک سمندر اور ترک اک قطرہ ہے اس میں
اس اک قطرے سے اِک طُوفان بپا ہونے کا وقت آیا
تواناؤں پہ کیوں کر ناتواں کو غلبہ ملتا ہے
اُن آیات مبیں کے رُونما ہونے کا وقت آیا
اکیلا سارے یورپ سے پچھاڑا جا نہیں سکتا
کسی سے تُرک کا لنگر اُکھاڑا جا نہیں سکتا [۴۰]

....

حوالے وحواشی:

۱۔ ظفرعلی خان، بہارستان، لاہور: اردو اکیڈیمی پنجاب، ۱۹۳۷ء، ص ۳۶۸

۲۔ ظفرعلی خان، حبسیات، لاہور: منصور سٹیم پریس ، ۱۹۲۶ء، ص ۵۰

۳۔ ایضاً ص ۵۸

۴۔ ظفرعلی خان، بہارستان ،ص۱۷۴

۵۔ ظفرعلی خان، چمنستان ،لاہور: پبلشرز یونائیٹڈ ،۱۹۴۴ء، ۲۷۸

۶۔ استنبول پہنچنے کی یہ تاریخ ڈاکٹر غلام حسین نے قیاس کی ہے (مولانا ظفرعلی خان حیات خدمات وآثار لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۳ء ص۱۰۶) دیگر تفصیلات کے لیے ڈاکٹرنظیرحسنین زیدی مولاناظفرعلی خان احوال وآثار، لاہور: مجلس ترقی ادب ۱۹۸۶ء، ص ۹۸،۹۹

۷۔ چودھری غلام حیدرخان، ''ظفرالملت'' غیرمطبوعہ مسودے کے چند منتشراوراق

۸۔ سلطان الشعرا، ظفرالملت والدین حضرت علامہ ظفرعلی خان صاحب کے چالیس کلام کا مجموعہ بہارستان حصہ اول و دوئم ،مینیجر دارالاشاعت بہارستان گجرات نے مسلم پریس موری گیٹ لاہور سے ۱۹۳۷ء میں شائع کیا لیکن اب نایاب ہے۔

۹۔ ظفرعلی خان، بہارستان، لاہور: الفیصل ناشران ۲۰۰۷ء، ص ۱۸۹، ۱۹۰

۱۰۔ ایضاً، جائے مذکور۔ڈاکٹرنظیرحسنین زیدی نے قصیدے کے اختتام پر یہ عبارت اور تاریخ ایزادکی ہے ''کمترین وابستگان دامن خلافت ظفرعلی خان مدیرجریدۂ زمیندار، ۱۴/رجب ۱۳۳۲ھ/۲/رجون ۱۹۱۳ء''(مولاناظفرعلی خان احوال وآثار، ص۱۰۳) یہ تاریخ بداہتہً غلط ہے اس لیے کہ بہارستان میں مندرج تاریخ ۲۴/رجب ۱۳۳۱ھ کا عیسوی تقویم سے تقابل کیا جائے تو ۲۹/رجون ۱۹۱۳ء کی تاریخ حاصل ہوتی ہے۔

۱۱۔ محمد طفیل (مدیر) نقوش، لاہور: ادارہ فروغ اردو، جون ۱۹۶۴ء، آپ بیتی نمبر جلد اول، ص ۲۸۷۔۳۰۷

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ شورش کاشمیری، ظفرعلی خان، لاہور: مطبوعات چٹان ۱۹۵۷ء، ص ۴۹

۱۴۔ ظفرعلی خان اور ان کا عہد، لاہور: اسلامک پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۲ء، ص۷۷

۱۵۔ مولانا ظفرعلی خان حیات خدمات وآثار، ص۱۰۸

۱۶۔ ایضاً ص ۱۲۱

۱۷۔ مرزاعبدالحمید، ڈائری ظفرعلی خان، روزنامہ زمیندار، لاہور: گولڈن جوبلی نمبر، جنوری ۱۹۵۳ء، ص۲۸ بحوالہ ڈاکٹرنظیرحسنین زیدی، محولہ بالا، ص۱۰۰

۱۸۔ Muhammad Ali ed, ***The Comrade,*** Calcutta, October 28,1911 بحوالہ ڈاکٹرنظیرحسنین زیدی ص ۹۵

۱۹۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، شرح بانگ درا، لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، بارسوم س۔ن، ص ۴۰۸

۲۰۔ اقبال، بانگ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س۔ن، ص۲۱۴

۲۱۔ نقوش، آپ بیتی نمبر، محولہ بالا

۲۲۔ اس خط کی اصل ترکی میں سلطنت عثمانیہ کی شاہی دستاویزات میں محفوظ ہے۔ راقم کی اس خط تک رسائی استنبول یونی ورسٹی کے شعبہ اردو کے نام ور استاد ڈاکٹر خلیل طوقار صاحب کے ذریعے ہوئی جس کے لیے راقم ان کا ممنون ہے۔

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ چودھری غلام حیدر خان، محولہ بالا

۲۵۔ سبیل الرشاد مدیر اشرف ادیب، ج ۱۰ عدد ۲۴۸ پنجشنبہ، ۷؍رجب شریف ۱۳۳۱ھ راقم اس خبر کے ترکی سے اردو ترجمے کے لیے ڈاکٹر محمد ارشد صاحب مدیر اعلیٰ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ پنجاب یونی ورسٹی کا ممنون ہے۔

۲۶۔ شورش کاشمیری، ظفرعلی خان، لاہور: مطبوعات چٹان ۱۹۵۷ء، ص ۴۹

۲۷۔ چودھری غلام حیدر خان، محولہ بالا

۲۸۔ چودھری غلام حیدر خان، محولہ بالا

۲۹۔ شورش کاشمیری، ص ۵۰، نیز، پروفیسر حمید احمد خان نے یہ نظم نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ترکوں پر جو مصیبت اس دور میں پڑی وہ دراصل خود ہمارے لیے ایک قومی مصیبت تھی، نظم کے تیرھویں شعر میں ''غم قوم'' کی ترکیب حالی کے اسی احساس کا اظہار کرتی ہے یوں دیکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ حالی نے اس نظم کو مسلمانان برعظیم کے ملی شعور کا ترجمان بنادیا ہے''
ارمغان حالی لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ اشاعت نو، جنوری ۲۰۱۰ء، ص ۲۵۹، ۲۶۰

۳۰۔ ظفرعلی خان اور ان کا عہد، ص ۸۱

۳۱۔ شورش کاشمیری، ص ۴۹

۳۲۔ ظفرعلی خان اور ان کا عہد، ص ۸۱

۳۳۔ ظفرعلی خان، بہارستان، ص ۲۳۸

۳۴۔ ظفرعلی خان، حبسیات، ص ۳۲

۳۵۔ ایضاً، ص ۳۳

۳۶۔ ظفرعلی خان، بہارستان، ص ۲۳۹